خاصانِ خدا

حضرت مولانا فضل الرحمٰن مرادآبادی

•

زہد اور ورع کی مثال

مولانا ابوالحسن علی میاں راقم الحروف کے ہم درس بھی ہیں، دوست بھی، اور اب بزرگ بھی۔ مقالۂ ذیل انھی کے افادات میں سے ہے۔

ایک اہل اللہ کی زبان سے ایک اہل اللہ کی کہانی۔

رئیس احمد جعفری

محبت و یقین کا طبعی خاصہ زہد و توکل ہے، جو جتنا بڑا صاحب محبت اور صاحبِ یقین ہے اتنا ہی بڑا زاہد و متوکل ہے ؎

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

مولانا کے زہد و توکل کے واقعات اولیائے متقدمین اور سلف صالحین کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

روپیہ کی قدر

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں:

آپ کا توکل محض اللہ پر تھا۔ اگرچہ آخر زمانہ میں جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم مغفور

نے سو روپیہ مہینہ بھی ریاست سے کرا دیا تھا مگر کبھی آپ نے اس سے اپنا کام نہیں چلایا۔ بلکہ ایک مرتبہ نواب صاحب مرحوم مغفور نے کہلا بھیجا کہ سو روپیہ مہینہ آپ کے پاس ریاست سے جاتا ہے، آپ کو ملتا ہے یا نہیں؟ آپ نے نہایت بے توجہی سے فرمایا کہ "میں نہیں جانتا کہ کیسا سو روپیہ آتا ہے، مجھے تو کبھی ملا نہیں۔ اور حقیقت اس کی یہ تھی کہ چونکہ آپ کے نزدیک روپیہ کی قدر ٹھیکری کے برابر بھی نہ تھی لہٰذا اس کی طرف التفات نہ تھا۔ اس لیے لڑکے گھر کے منی آرڈر سے کر اپنے مصرف میں لاتے تھے۔

روزمرہ کے خرچ کا قاعدہ

روزمرہ کے خرچ کا یہ قاعدہ تھا کہ بنیا مقرر تھا۔ آپ کو ادھار دیا کرتا تھا جب آپ کو فتوحات آتے تھے تب اس کا ادا کر دیا جاتا تھا۔ اس کے لیے کوئی بہی کھاتا نہ تھا۔ دس پانچ بنیے دوکاندار مقرر تھے حتیٰ کہ نقد روپیہ بھی وہی قرض دیتے تھے۔ مگر بغیر سود کے آپ کو قرض دیتے تھے۔ آپ کو روپیہ لینے کی اس وقت ضرورت ہوتی تھی کہ عرب یا پنجابی یا ولایتی یا اسی ہندوستان کے آدمی آتے تھے اور خرچ ان کے پاس نہیں ہوتا تھا تو حضور دس پانچ روپے دے کر رخصت کرتے تھے۔ ہزار ہا روپیہ ماہوار کا خرچ تھا۔ بعض مہینہ کچھ زائد بھی ہوتا تھا۔ اربابِ ملّا داں کا خرچ اور بڑی صاحبزادی صاحبہ کا خرچ بھی یہیں سے تھا۔ قرض لے کر بنیے سے کام کرنے میں حضرت قبلہ کی یہ مصلحت تھی کہ اگر مال مشکوک بھی مسلمان میرے پاس بھیجیں گے تو بنیے کا قرض سے تبادلہ ہو جائے گا۔ تب موافق اس قول کے پاک ہو گیا یعنی تبدل ید سے تبدل ملک ہو گیا۔ آپ نے یہ روش دہلی کی خانقاہوں سے سیکھی تھی۔ حضرت قبلہ ایک گھنٹہ بھی روپیہ نہیں رکھتے تھے جب کسی نے نذر کیا فوراً بنیے کو بلا کر دے دیتے تھے۔ آپ کے ذاتی مال میں سے لوٹا، ایک دو گھڑے، ایک چارپائی، دو جوڑے کپڑے، اس کے سوا کچھ نہیں تھا۔

فقیر کی دولت

ایک مرتبہ الٰہ آباد سے ہائی کورٹ کا افسر اس تحقیق کے لیے آیا تھا کہ آپ کے پاس مجمع ہر ملک کے لوگوں کا اس قدر کیوں رہتا ہے۔ کیونکہ اسی زمانہ میں حیدرآباد سے نواب خورشید جاہ حضرت کے پاس آئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ توبہ کے لیے لوگ آتے ہیں، ہم ان کے گواہ ہو جاتے ہیں۔ تم بھی ترک

سے توبہ کر دیں گواہ ہو جائیں گے۔ پھر وہ انگریز بہت خوش ہوا اور کہا کہ: آپ کے خرچ خانقاہ کے لیے اگر فرمایئے تو ملکہ کے پاس لکھوں؟ آپ نے فرمایا کہ کیا ضرورت ہے۔ ہمارے پاس خدا کے فضل سے دو جوڑے کپڑے، اور دو لوٹے مٹی کے اور دو گھڑے موجود ہیں۔ مجھے کیا ضرورت ہے۔ وہ انگریز رخصت ہو گیا۔

اسی طرح ایک بار کوئی حاکم آیا ہوا تھا۔ اس نے حضرت کی اخلاقی تقریر سے خوش ہو کر کہا کہ اگر آپ فرمائیں تو آپ کی خانقاہ کے لیے گورنمنٹ سے کچھ مقرر کرادیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمھاری گورنمنٹ کا روپیہ لے کر کیا کروں گا۔ خدا کے فضل سے ایک رسّی سے بنی ہوئی چارپائی، اور دو لوٹے مٹی کے، اور دو گھڑے مٹی کے موجود ہیں۔ اور بعض مرید ہمارے باجرہ لے آتے ہیں۔ اس کی روٹی ہو جاتی ہے۔ بی بی صاحبہ کچھ ساگ یا دال پکا دیتی ہیں۔ اس سے لگا کر کھا لیتے ہیں۔

حاتم دگراں وگدائے خویشتن

مولوی محمد یحییٰ صاحب لکھنوی نے فرمایا کہ جب آپ لکھنؤ میں تشریف لائے تو مطبع مصطفائی میں ٹھہرے ہم بھی حدیث پڑھنے کو جاتے تھے۔ آپ کے مکان سے بنجارہ آیا۔ ہم نے خبر دی کہ حضرت آپ کے وطن سے آدمی آیا ہے۔ اس نے خیریت دریافت کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں بلاؤ کہاں ہے۔ وہ حاضر کیا گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کہو وطن میں کوئی مرا تو نہیں۔ اس نے کہا کہ نہیں صاحب کوئی مرا نہیں ہے۔ پھر وہ جب جانے لگا تو اس نے میر صائب علی صاحب سے کہا کہ گھر میں خرچ مانگا تھا۔ میر صائب علی صاحب نے کہا کہ حضرت! عورتوں نے کچھ خرچ مانگا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کی پناہ! سولہ سیر باجرہ اور سولہ سیر جوار ہم دے کر آئے یہ سب کھا گئیں۔ غضب خدا کا، جنگ تبوک میں صحابہ کو ایک خرما روز دیا جاتا تھا۔ اسی پر قناعت کرتے تھے المختصر اپنے گھر والوں کو کچھ نہیں دیا۔ باوجودیکہ شرف الدولہ نے کئی ہزار روپیہ آپ کو دیا تھا۔ وہ روز تقسیم ہوتے تھے۔ اس میں سے ڈیڑھ سو بچ بھی گیا تھا۔ مگر اس کو بھی لینے دینے کے لیے رکھا تھا۔ کہ کوئی مستحق آجاوے گا تب کام آوے گا۔ پہلے روز جو روپیہ آیا تو آپ نے عبد الرحمٰن خاں صاحب سے پوچھا کہ بخاری شریف تمھارے پاس کے جلد ہے؟ انھوں نے کہا بیس جلد۔ فرمایا۔ قیمت کیا ہے؟ کہا۔ تیس روپیہ۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے لے لیا۔ پھر پوچھا کہ مسلم شریف وغیرہ کس قدر ہے؟ غرض جتنی کتابیں حدیث فقہ کی تھیں سب خرید لیں۔

اور پھر تقسیم کرتے تھے۔ آخر بخارہ کو میر صائب علی صاحب نے اپنے پاس سے تین روپیہ نکال کر دیے۔ اور اس کو رخصت کیا۔

کیمیا اور دست غیب سے بیزاری

مولوی حکیم انوار الحق صاحب نے بیان کیا۔ کہ ایک روز حضرت قبلہ سے عرض کیا گیا کہ فلاں فلاں بزرگ کو شوق کیمیا ہے۔ دعا فرمایئے کہ ان کو حاصل ہو جائے۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ کرے ان کو نہ آئے۔ اور بھائی جس دل میں شوق کیمیا ہے نسبت الٰہی ہرگز قرار پذیر نہیں ہو سکتی ہے۔ بعد اس کے مولوی صاحب موصوف سے راوی نے دست غیب کے باب میں دریافت کیا کہ اس کے باب میں کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ یہ اس سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ کسی نبی، فقیر، درویش کامل نے ایسے امور کی تمنا نہیں کی:

صد تمنا در دلت اے بوالفضول　　　کے بود نور خدا در دل نزول

بند بگسل باش آزاد اے پسر　　　چند خواہی بند سیم و بند زر

لاکھ روپیہ پر خاک

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں۔ مولوی محب اللہ خاں صاحب امروہہ نے بیان فرمایا کہ ہم سے نواب کلب علی خاں والی ریاست رامپور بے تکلفی رکھتے تھے اور بہت محبت کرتے تھے۔ ایک دن نواب صاحب نے ہم سے اپنا خیال ظاہر کیا کہ ہم کو بہت تمنا ہے کہ مولانا مولوی فضل رحمٰن محدث اس رامپور میں ہمارے یہاں تشریف لادیں۔ تو خوب ہو کیونکہ سب اہل علم ہر فن کے مجتمع ہیں۔ مگر وہی ایک صاحب یہاں نہیں ہیں کہ جو شاہ عبدالعزیز صاحب کے صحبت یافتہ ہیں۔ اس پر مولوی صاحب موصوف نے نواب صاحب موصوف سے کہا کہ اگر ان کو ہم لادیں تو کیا آپ ان کے لیے نذر کریں گے؟ نواب صاحب نے کہا۔ کہ لاکھ روپیہ مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کروں گا۔ چنانچہ مولوی محب اللہ خاں صاحب کہتے تھے کہ ہم مراد آباد پہنچے اور مولانا سے ملے۔ سب قسم کی باتیں توحید وغیرہ کی ہونے لگیں۔ پھر ہم نے عرض کیا کہ رامپور تشریف لے چلیے۔ نواب کلب علی خاں آپ کے بہت مشتاق ہیں۔ اور لاکھ روپیہ نذر کریں گے۔ آپ جس طرح سے بات کر رہے تھے اسی طرح کرتے رہے اور اس حکایت کو معمولی بات کی طرح ٹال دیا۔ اور فرمایا کہ میاں لاکھ روپیہ پر خاک ڈالو۔

اور بات سنو:

جو ہم دل پہ اس کا کرم دیکھتے ہیں
تو دل کو بہ از جام جم دیکھتے ہیں

اور پھر وہی سب عشق وغیرہ کی کہانی کرتے رہے۔

اہل حکومت و وجاہت کی بے وقعتی

جس اللہ کے بندے پر اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی منکشف ہو جاتی ہے اور اہل دنیا اور ان کے مال و دولت سے وہ اپنی امید منقطع کر لیتا ہے اور بے طمع ہو جاتا ہے اس کی نگاہ میں اہل حکومت اور اہل ثروت کی عظمت اور اس کے دل پر ان کا رعب نہیں رہتا۔ اور بعض اوقات بڑے بڑے اہل جاہ اور ارباب حکومت اس کو مور و مگس کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔

ابتدائے عہد انگریزی میں حاکم ضلع (کلکٹر) کی بھی جو حیثیت اور رعب و داب تھا اس کو ابھی لوگ بھولے نہ ہوں گے۔ گورنر اور لفٹننٹ گورنر کی تو شان ہی اور تھی۔ لیکن اہل حقیقت اور اہل بصیرت کے یہاں ان خارجی و اضافی چیزوں (عہدوں اور حیثیتوں) کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ اور وہ ان سے معمولی انسان کا سا سلوک کرتے تھے۔ مولانا کی خدمت میں دو مرتبہ صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ کا لفٹننٹ گورنر حاضر ہوا۔ اور مولانا اس سے بے تکلفانہ بلکہ درویشانہ ملے۔ ایک حاضری کا حال مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

"ایک دفعہ لفٹننٹ گورنر نے مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے ملنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ میں تو ایک فقیر آدمی ہوں۔ ان کے بیٹھنے کا کیا انتظام ہو گا۔ اچھا ایک کرسی منگا لینا۔ لفٹننٹ گورنر کی طرف سے تاریخ اور وقت بھی مقرر ہو گیا۔ اور آپ لوگوں سے یہ کہہ کر بھول بھی گئے۔ یہاں تک کہ لفٹننٹ گورنر مع چند حکام کے آموجود ہوئے۔ سب کھڑے تھے۔ ایک میم بھی کھڑی تھی۔ مولانا نے ایک لنٹے گھڑے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ: بی تو اس پر بیٹھ جا۔ لفٹننٹ گورنر نے کچھ تبرک مانگا۔ آپ نے ایک خادم سے

فرمایا کہ بھائی دیکھو میری ہنڈیا میں کچھ ہو تو ان کو دیدو۔ اس میں کچھ تھوڑا مٹھائی کا نکلا۔ بس سب کو تھوڑا تھوڑا تقسیم کر دیا۔ سب نے ادب اور خوشی سے قبول کیا۔ اور تھوڑی دیر بیٹھ کر اجازت چاہی۔ اور رخصت ہو گئے، چلتے وقت نصیحت کی درخواست کی۔ فرمایا کہ: ظلم مت کرنا۔

فیض و تاثیر

باوجود اس سادگی و بے تکلفی کے جو مولانا کی زندگی میں نمایاں تھی، آپ کی صحبت میں اتنی کیفیت۔ آپ کی نسبت باطنی میں قوت اور کلام میں ایسی دلآویزی تھی کہ بجلی کی طرح اثر کرتا تھا اور حسب استعداد مدت تک اس کا اثر رہتا تھا۔ یہاں اس فیض و تاثیر کے چند واقعات درج کیے جاتے ہیں۔

گریۂ محبت

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ فقیر رخصت ہونے کو حجرہ میں گیا تو میری زبان سے یہ شعر نکل آیا:

نہ ہو دیدار میسر تو نہ ہو   در جاناں کی زیارت ہی سہی
نہ ہو قسمت میں مرے ساغرِ مے   ترے میخانہ کی خدمت ہی سہی

آپ اس وقت اذکار و اشغال میں مشغول تھے۔ آپ نے سر اٹھایا۔ کچھ آیت پڑھ کر سینہ پر دم کر دیا۔ اور یہ شعر فرمایا:

دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست   تا نہ پنداری کہ تنہا می روی

اور فرمایا کہ اب جاؤ مجھ کو دو گوس تک غلبۂ الٰہی میں گریہ تھمتا نہیں تھا۔ اور بے خودی از حد طاری تھی۔

کلام کی تاثیر

حضرت قبلہ کے یہاں ظاہری شغل میں جس سے فیض مریدوں کو دیتے تھے، یہ کتابیں تھیں۔ اول قرآن بعدہ حدیث۔ بعد اس کے اشعار بزرگان مثل مثنوی وغیرہ۔ پھر یہ احاطۂ تقریر میں نہیں آسکتا ہے۔ کہ جب

آپ نے کوئی مضمون فرمایا گو معمولی بات ہو مثلاً مسح تر اسے متعلق عبارات فقہیہ، ہر چیز کے انوار طالب پر جو سامنے ہوتا طاری ہوتے تھے۔ چونکہ وہ نسبت برقی کے طور پر ہوتے تھے۔ طالب ناقص میں نہیں ٹھہرتے تھے، مگر عقول بالغہ کو ہر کلام کے انوار جو مراقبہ و مقامات سے حاصل ہوتے تھے ان کو اسی سے حاصل تھے۔

اسمائے حسنیٰ کا بیان

مولوی محمد احسن و مولوی محمد حنیف صاحب بہاری نے فرمایا کہ ایک بار ہم لوگ مراد آباد حاضر ہوئے اس وقت بڑا مجمع اہل علم کا آپ کے پاس تھا۔ تقریر علمی مختلف طور پر ہو رہی تھی۔ اس میں سے اسمائے باری تعالیٰ کو آپ بڑے جوش و خروش سے بیان فرما رہے تھے۔ جس سے سامعین پر بڑی ہیبت چھا رہی تھی۔ اور ہر شخص کو ایسا لطف آرہا تھا کہ گویا آج ہی ہم مسلمان ہوئے ہیں۔

غیر مسلموں کا قبولِ اسلام

محمد خاں صاحب آپ کے ایک خادم کہتے تھے کہ جب حضرت بنارس تشریف لے گئے تو وہاں باوجودیکہ آپ پوشیدہ اس شہر میں داخل ہوئے، اور ایک مکان میں ٹھہر گئے مگر وہاں ہنود کی بڑی کثرت ہوئی، ہر چند کہ منع کئے گئے۔ مگر سبھوں نے نہ مانا، اور مسلمان ہو گئے۔

دو لار کا تھپڑ

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت قبلہ کے پاس مرشد آباد کے ایک نواب کہ حضرت سے شاید بیعت کی تھی اور بعد عرصہ کے بصورت نصرانی یعنی ٹوپ انگریزی، اور داڑھی گھٹوائے مراد آباد حاضر ہوئے۔ حضرت کے پاس جو گئے تو آپ نے اخلاق سے بٹھایا۔ باتیں کیں۔ پھر آپ نے بطور دولار کے ایک تھپڑ ان کے رخسار، پر مار کر یہ فرمایا کہ قیامت کے روز اس طرح سے طمانچہ لگے گا۔ اس مارنے کی یہ تاثیر ہوئی کہ تمام دن ان کو روتے ہوئے گزرا، اور یہ کا نپور کے جج ہو کر آئے تھے۔ غالباً ڈھائی ہزار تنخواہ ہو گی۔ استعفا دینے کو تیار ہوئے۔ مگر صاحبزادہ نے فہمائش کر کے روکا۔

لسانی توجہ

آرہ کے ایک اسکول کے ماسٹر صاحب آپ کی خدمت میں بہ عزم بیعت پہنچے۔ مگر وہ پریشان تھے کہ کہیں انگریزی پڑھانے کا سوال نہ ہوجائے۔ آخر آپ نے پوچھا کہ میاں کیا کرتے ہو؟ انھوں نے مجبور ہوکر کہا کہ انگریزی پڑھاتا ہوں۔ ماسٹر صاحب کے ہوش جاتے رہے کہ دیکھیے کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ انگریزی پڑھاتے ہو تو سیے جا کیا ہے۔ ہاں فرنگیوں نے جمن کا کیا حال لکھا ہے کیونکہ سنا ہے کہ جمنا اور دریا کا پانی ملتا ہوا چلتا ہے۔ اس کا پانی نیلا ہے اور دریا کا پانی سفید ہے۔ اس قدرت الٰہی کو بیان کرو۔ ماسٹر صاحب نے پھر اچھی طرح بیان کیا، اور دریا وغیرہ کا حال بیان کیا۔ قرآن شریف میں ہے مرج البحرین یلتقیان بینہما برزخٌ لایبغیان۔ ماسٹر صاحب سے بات ہوتے ہوتے فیض آنا شروع ہوا۔ اسی کو لسانی توجہ کہتے ہیں۔ ماسٹر صاحب پر بہت کیفیت و بے خودی طاری ہوئی۔ بعد اس کے بیعت خاص کی اور تمام تعلیمات مراقبہ وغیرہ ان کو کی۔ پھر وطن میں آکر یاد الٰہی میں مصروف رہے۔

ایک شعر باعث توبہ و اصلاح

مولوی تجمل حسین صاحب ہی راوی ہیں کہ ایک شیعہ صاحب شہر پورنیہ کے رئیس حکیم صاحب کر کے مشہور تھے، حضرت قبلہ کی خدمت میں تشریف لائے۔ وہاں کے بعض خواتین نے شور مچایا کہ ایک رافضی مسجد میں گھسا آتا ہے۔ حضرت قبلہ نے ان کو کہا کہ تم ہمارے حجرہ میں ٹھہرو، اور فرمایا کہ یہ حضرت مرتضیٰ علیؓ کے مہمان ہیں۔ بہت گفتگو کے بعد ان شیعہ صاحب نے فرمایا کہ آپ سے اعتقاد تو ہوا مگر ہم مرید نہیں ہوں گے۔ اور مذہب اپنا نہیں چھوڑیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ مذہب چھوڑنے کا کیا کام ہے۔ حضرت مرتضیٰ علیؓ سے محبت رکھو اور بی بی فاطمہؓ اور امام حسین علیہ السلام سے محبت رکھو۔ مگر ایک شعر پر عمل رکھو، اور وہ شعر یہ ہے:

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر، تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

جب وہ اپنے وطن گئے تو شب و روز پھرتے چلتے یہی شعر پڑھتے تھے۔ اور کوئی دوسرا شغل نہ تھا۔ مگر اثر صحبت کا اور رنگ اسلام کا آگیا تھا۔

اب سنیے کہ وہ تو شب و روز اشعار زبان پر تھے کہ: نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر..... الخ۔ مجلس محرم یا کسی اور مجلس کے دن آگئے۔ کہ ایک گروہ امامیوں کا پہنچا اور کہا کہ بغیر آپ کے مجلس سونی ہے۔ تشریف لے چلیے اور کہا کہ آج دن تبرا کا ہے۔ بس یہ کہنا تھا کہ وہ بگڑے اور یہ شعر پڑھا اور حکم دیا کہ ان بدمعاشوں کو پکڑو اور مارو۔ کہ کہاں ہم، کہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر۔ اور کہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ اور کہاں حضرت عثمان غنی رض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد۔ ان کو گالیاں دینا شروع کیا اور کہا کہ جاؤ آج کے روز سے ہم سنّت والجماعت کے مذہب میں داخل ہو گئے۔ چنانچہ ہم سیر کرتے ہوئے ان کے مکان پر پہنچے، معلوم ہوا کہ ابھی ایک سال ہوا انتقال ہو گیا ہے۔

ایک شعر کا اثر

مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی لکھتے ہیں کہ لکھنؤ میں مولوی عبدالاحد صاحب الہ آبادی، مولوی عبدالحی کے شاگردوں میں بہت جید الاستعداد ایک عالم تھے۔ میں بھی ان سے مُلّا حسن پڑھتا تھا۔ انھوں نے ایک دن اولیاء اللہ کے تذکرہ میں کہا کہ مولانا فضل رحمٰن صاحب کچھ دن ہوئے یہاں آئے ہوئے تھے۔ مولوی علی حیدر خاں صاحب ان سے مرید ہوئے۔ ان کے سر میں بہت دنوں سے درد تھا جو کسی صورت سے جاتا نہ تھا۔ بیعت کے بعد حضرت کی زبان مبارک سے انھوں نے یہ شعر سنا:

بادِ نسیم آج یہ کیوں مشک بار ہے
شاید ہوا کے رخ پہ کھلی زلفِ یار ہے

یہ شعر سننے کے بعد اور بیعت کی برکت سے درد زائل ہو گیا۔ اور مولوی صاحب آٹھ دن تک بیعت کے بعد گریہ وزاری میں مصروف رہے۔

بیسواؤں کی توبہ

حضرت نے فرمایا کہ میں ایک قصبہ میں جاتا تھا۔ کسبیوں کے سامنے سے گزرا سب نے کھڑے ہو کر سلام کیا۔ میں نے جھڑک دیا، خدا کی شان تھوڑی دور گیا تھا کہ وہ سب آکر میری مرید ہو گئیں۔ اس کے بعد سب نے نکاح بھی کر لیے۔

صحبت و توجہ کی تاثیر

مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی اپنے سفر کے حالات کے ضمن میں فرماتے ہیں ۱۳۰۳ھ میں لکھنؤ آیا۔ اس زمانہ میں مجھے شغل درود کی ایک عجیب لذت تھی۔ جمال مبارک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہر دم میری آنکھوں کے سامنے رہتا تھا۔ وہ بات لکھنؤ میں زائل ہوگئی۔ مجھے سخت انقباض ہوا۔ بالآخر مولوی فتح محمد صاحب تائب اور دیگر احباب کو ہمراہ لے کر روانہ ہوا۔ مراد آباد پہنچا۔ اور حضرت کی مسجد میں قدم رکھا۔ وہ انقباض انبساط سے بدل گیا۔ پہلے مجھے کھانا کھلایا گیا۔ اس کے بعد میری حاضری کی خبر حضرت کو کی گئی۔ حضرت نے فی الفور بلا بھیجا۔ میں حاضر ہو کر ادب سے بیٹھنا چاہتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ بخاری نکالو انہیں دو۔ میں نے پڑھنا شروع کیا۔ اس وقت کی کیفیت کو عرض نہیں کر سکتا۔ ما دانیم و دل۔ مختصر اس کا یہ ہے کہ مجھے اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی واسطہ نہیں اور میں خاص حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پڑھ رہا ہوں۔ اس وقت حضوری کی ایک ایسی لذت تھی کہ الفاظ کا بالکل خیال ہی نہیں ہوتا تھا۔ اور حضرت کبھی کبھی مسکراتے تھے۔ اور کبھی کبھی آہ آہ فرماتے تھے۔ کبھی کوئی اشعار پڑھتے تھے۔ کبھی کوئی ہندی کا گیت ارشاد فرماتے تھے۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ترجمہ کرو۔ میں نے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں! حضرت محبوب ہیں۔ زبان عشق سے کہو۔ پھر آپ نے خود فرمایا کہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی پیار کرے ان کو اللہ اور سلامت رکھے۔ اس جملہ سے مجھ پر ایک کیفیت طاری ہوگئی اور میں نے نعرہ کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ مولوی ہو کر اتنا چلاتے ہو، ڈیڑھ ورق میں نے بخاری پڑھی تھی۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ بس کرو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میری طرف متوجہ ہو جاؤ۔ میں متوجہ ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کہو کیسا رنگ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے کچھ درک نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ پھر متوجہ ہو جاؤ۔ اس بار بھی مجھے رنگ نہ آیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ مجھے سلطان جی (حضرت نظام الدین اولیا) سے عشق ہے۔ یہ کہہ کر آپ متوجہ ہو گئے۔ اس وقت مجھے ایسا درک ہوا کہ اک آگ کا شعلہ حضرت کے قلب سے نکل کر میرے قلب میں سما گیا۔ اور میرے ہر رگ و ریشہ میں، اس کی حرقت محسوس ہونے لگی، اور بیتاب ہو کر میں نے ہائے کا نعرہ لگایا۔ اور تخت سے نیچے گر پڑا۔ حضرت اپنی چارپائی سے اٹھے اور میرا

شانہ پکڑ کر اٹھایا اور فرمایا۔ اتنا کیوں چلاتے ہو۔

کمالِ علمی

باطنی مشغولیت، استغراق اور توجہ الی اللہ کے باوجود مولانا کا علمی ذوق اور استحضار قائم تھا۔ حدیث و فقہ پر گہری نظر تھی۔ بعض مرتبہ ایسی غلطیوں پر تنبیہہ فرماتے اور ایسی جزئیات بیان کرتے کہ اکابر اہل علم و درس کو تعجب ہوتا۔ چند واقعات درج کیے جاتے ہیں۔

نماز قصر کا ایک مسئلہ

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں۔ آپ نے عندالملاقات مولانا عبدالحی صاحب سے پوچھا بھلا تم تو بڑے فقیہ ہو۔ ہدایہ کا حاشیہ تم نے خوب لکھا۔ یہ تو بتاؤ کہ تم نے راستہ میں نماز مسافرت کی موافق مذہب حنفیہ کے کیوں نہیں پڑھی۔ یعنی قصر کیوں نہیں کیا؟ مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہم آٹھ نو آدمیوں کے سامنے اس حکایت کو لکھنؤ میں بیان کیا تھا۔ اس میں کئی رئیس مونگیر مثل شاہ احمد سعید اور شاہ محمد وغیرہ بھی تھے۔ مولانا عبدالحی صاحب فرماتے تھے کہ یہ سب کشف فقط سنت پر عمل کرنے سے حاصل تھا۔ المختصر مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا نوراللہ مرقدہ کو اس مسئلہ کا یہ جواب دیا کہ میں لکھنؤ سے سندیلہ کی نیت سے چلا تھا، وہاں آکر عزم ہوا کہ آپ کی زیارت حاصل کریں۔ یہ دو سفر ہو گئے تین منزل نہیں ہوئے۔ آپ نے اس پر ارشاد فرمایا کہ بھائی تم بڑے محقق ہو۔ مگر تحقیق مسئلہ یوں ہی ہے کہ فقہا نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ جب دو سفر کو جمع کیا جائے اس پر حکم تین منزل کا ہوگا۔ ان دونوں سفروں کو سفر واحد سمجھا جاوے گا۔ مولانا عبدالحی صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ واقعی میں نے جو کتابوں کو دیکھا تو ترجیح اسی مسئلہ کو تھی۔

کتابوں کے اغلاط کی تصحیح

جناب مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف چھاپ کر بہت عمدہ خوشخط ایک جلد آپ کے لیے تحفہ لائے۔ چونکہ آپ کی عادت شریف تھی کہ جو کتاب مطبع سے لوگ نذر لاتے تھے اس کے

آپ چند ورق ادھر ادھر کے الٹ کر غلطی بتادیتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے پہلے دیکھ رکھا ہو۔ غرض اس بخاری شریف میں کئی جگہ ورق بے انداز الٹ دیے اور فرمایا کہ یہ غلطی ہے اور وہ غلطی ہے۔ استاذی حضرت مولانا احمد علی صاحب بہت متعجب ہوئے کہ میں آٹھ برس سے اس کتاب کو درست کر رہا ہوں غلطیاں نظر نہیں آتی تھیں۔ آخر پھر غور کرکے کئی ورق کا غلط نامہ بخاری شریف میں چھاپ کر لگایا گیا۔

احادیث پر عبور

اسی طرح مولانا سعادت حسین صاحب مدرس کلکتہ (مولوی ابراہیم صاحب وغیرہ کے استاد) جب مرادآباد تشریف لے گئے ان کے ساتھ مولوی اکرم صاحب محدث بھی ہمراہ تھے۔ تو حضرت قبلہ اس وقت چادر اوڑھ رہے تھے۔ آپ نے پوچھا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھتے وقت کون دعا پڑھتے تھے؟ کئی علما تھے مگر کسی کو یاد نہیں تھا۔ ان عالموں نے کہا کہ اس وقت یاد نہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے ساٹھ برس ہوئے کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھی تھی بعد اس کے آپ نے ڈیڑھ ورق کے قریب کئی حدیث مع راویوں کے سلسلہ وار بیان کرکے دعا چادر اوڑھنے کی پڑھی۔ سب لوگ حیران ہوئے۔ مولوی سعادت حسین صاحب نے اپنے مجمع میں بیان کیا کہ اس قدر ادعیہ اور معمولات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو یاد نہیں ہیں۔ بیشک مولانا فضل رحمٰن صاحب قبلہ کو بہت حفظ ہے، فقط محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات۔

اختلاف قرأت پر نظر

بعض اہل علم سے قرّاء سبعہ کے اختلاف قرأۃ لفظی کو پوچھتے تھے۔ بعض وقت مجھ سے بھی سوال فرماتے تھے کہ اس لفظ کو قرآن کے کس کس طرح پڑھنا آیا ہے۔ مثلاً: 'مالک یوم الدین'، 'ملک یوم الدین'۔

غرضکہ علم قرآن، اختلاف قرأۃ، اور ترجمۂ لفظ زبان ہندی وغیرہ سلیس اردو میں اور عجائب عجائب نکتہ قرآن شریف کا بیان آپ پر ختم تھا۔

تفسیر و نکات قرآن

مولوی فخر الدین صاحب سے معلوم ہوا کہ مولوی عبدالحق صاحب دہلوی مصنف "تفسیر حقانی" جب مرید ہونے گئے تو آپ نے پوچھا کہاں سے آتے ہو اور کیا کام کرتے ہو؟ کہا کہ میں تفسیر لکھتا ہوں۔ آپ خوش ہوئے اور حسب عادت آپ نے پوچھا کہ "ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا انفسنا" میں کون سا وقف ہے؟ کیونکہ اگر وقف نہ ہو تو واو متصلہ ہو جاوے گا؟ پھر خود ہی فرمایا کہ اس میں واو توقیفی ہے۔ پھر ترجمہ قرآن شریف ہونے لگا۔ یعنی طلبہ پڑھنے لگے، حد کا بیان آگیا، مولوی عبدالحق صاحب نے عرض کیا کہ ہر جگہ شہادت میں دو گواہ ہیں، اور زنا میں چار گواہ کیوں ہیں؟ ارشاد ہوا کہ زنا میں دو، دو ہیں زانی، اور زانیہ اس لیے چار گواہ ہیں۔ اس پر جناب مولوی عبدالحق صاحب بہت خوش ہوئے۔